اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (الِ عمرٰن:19)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ (الِ عمرٰن:85)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

جسم انسانی ضدَّین کا مجموعہ:۔

انسان اللہ رب العزت کی قدرت کا شاہکار ہے، یہ مختلف اعضا کا مجموعہ ہے۔اگر ہم غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ہر عضو دوسرے عضو سے اپنی صفات میں مختلف ہے۔گویا یہ جسم ضدین کا مجموعہ ہے۔مثال کے طور پر آنکھ دیکھ سکتی ہے، باقی سارا جسم نہیں دیکھ سکتا، یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے۔کان سن سکتے ہیں، باقی پورا جسم نہیں سن سکتا، یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے۔زبان بول سکتی ہے، باقی پورا جسم نہیں بول سکتا، یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے۔گویا انسان ایسے اعضا سے مل کر بنا ہے جو اپنی Characteristics (خصوصیات) میں ایک دوسرے سے بالکل (مختلف) ہیں۔

اللہ رب العزت نے اس ضدین کے مجموعہ میں ایک نعمت بھیج دی، جسے روح کہتے ہیں۔وہ روح ان تمام اعضا کو ایک بنا دیتی ہے، ان میں جوڑ پیدا کر دیتی ہے، ان کو اکٹھا کر دیتی ہے اور یہ اعضا ایک بن کر زندگی گزارتے ہیں۔چنانچہ جسم میں جب تک روح ہے، اس وقت تک اعضا ایک بن کر کام کرتے ہیں۔کبھی سر میں درد ہو تو پاؤں ڈاکٹر کے پاس جانے سے انکار نہیں کریں گے۔یہ کبھی نہیں کہیں گے کہ یہ میرا پرابلم نہیں ہے، یہ تو سر کا پرابلم ہے۔سر میں درد ہوگا تو پورے جسم میں درد ہوگا۔پاؤں ڈاکٹر کے

پاس چل کر جائیں گے، درد شدید ہوگا تو آنکھیں آنسو بہائیں گی اور پورا جسم بے قرار ہوگا۔ پاؤں ڈاکٹر کے پاس چل کر جائیں گے، درد شدید ہوگا تو آنکھیں آنسو بہائیں گی اور پورا جسم بے قرار ہوگا جس کی وجہ سے نیند بھی نہیں آسکے گی۔ گویا ایک عضو کا غم پورے جسم کا غم اور ایک عضو کی خوشی پورے جسم کی خوشی ہوگی......وجہ کیا ہوگی؟......کہ یہ سب اعضا ایک بن چکے ہیں۔اب ان میں Co-ordination (ربط) ہوچکی ہے، Integration (جوڑ) ہوچکی ہے۔یعنی روح نے سب کو یکجا کر دیا ہے۔

اگر بالفرض جسم سے روح کو نکال دیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ سب اعضا ایک دوسرے سے اجنبی ہو جائیں گے۔جس آدمی کے جسم سے روح نکل چکی ہو، آپ اس کی زبان کھینچ کر چھری سے دو ٹکڑے کر دیں تو آنکھ میں کوئی آنسو نہیں آئے گا، ہاتھ بھی Protection (حفاظت) کے لیے نہیں اٹھیں گے، پاؤں بھی اپنے آپ کو بچانے کے لیے نہیں بھاگیں گے۔اس لیے کہ وہ سب ایک دوسرے سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔جس چیز نے سب کو ایک بنایا تھا وہ جسم سے نکل گئی ہے۔

گھریلو زندگی میں مجموعہ ءضدین:

اگر ہم اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے گھروں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ہمارے گھر ایسے افراد کا مجموعہ ہیں جو حیثیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔مثلاً: جو باپ کی حیثیت ہے وہ گھر کے کسی دوسرے فرد کی نہیں ہوسکتی، یہ ایک دوسرے کی ضد ہوئے۔ جو ماں کی حیثیت ہے وہ کسی اور کی نہیں ہوسکتی، بہن کی حیثیت بھائی نہیں لے سکتا، بھائی کی حیثیت بہن نہیں لے سکتی۔ ہر ایک کی اپنی اپنی Identity (حیثیت) ہے۔چنانچہ یہ افراد اپنی اپنی حیثیت کے اعتبار سےبھی ایک دوسرے کی ضد ہوئے،۔

لیکن اللہ رب العزت نے ان میں بھی ایک نعمت کو اتارا ہے،جس کی موجودگی میں یہ سب افراد اس طرح

ایک بن کر کام کرتے ہیں جس طرح روح کی موجودگی میں جسم کے تمام اعضا ایک بن کر کام کرتے ہیں......اس نعمت کا نام ہے ''دین اسلام''...... جب تک گھر کے تمام افراد کے اندر دین رہے گا، آپس میں الفتیں ہوں گی، محبّتیں ہوں گی، ہمدردی ہوگی، ایثار ہوگا۔ایک فرد کا غم پورے گھرانے کا غم ہوگا اور ایک فرد کی خوشی پورے گھرانے کی خوشی ہوگی۔سب ایک بن کر کام کریں گے۔اور اگر اس دین کو نکال دیا جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ گھر کے افراد ایک گھر کے افراد ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے اجنبی ہوں گے۔ دلوں میں محبّتیں اور الفتیں نہیں ہوں گی بلکہ عداوتیں اور نفرتیں ہوں گی اور کینہ ہوگا۔یہاں تک کہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھانا کھانا بھی پسند نہیں ہوگا۔

اگر ایک آدمی جس کی روح نکل گئی، اس کے منہ کو Air tight (ہوابند) کر دیا جائے اور ناک کے ذریعے اس کے جسم کے اندر ہوا کو پمپ کر دیا جائے تو کیا جسم زندہ ہو جائے گا؟ کبھی بھی زندہ نہیں ہو سکتا۔اسی طرح اگر کسی کے گھر کے اندر سے دین نکل جائے اور اس میں Man-made (انسان کے بنائے ہوئے) اصول ڈال دیے جائیں تو کیا گھر کے افراد کے اندر وہ الفتیں اور محبّتیں پیدا ہو جائیں گی؟ ہرگز پیدا نہیں ہوسکتیں۔جس طرح روح نے جسم کو زندہ رکھا اسی طرح دین ہمارے گھر کے افراد کی زندگی کا باعث ہے۔گویا یہ کہا جائے گا کہ یہ زندہ گھرانہ ہے۔

جسم کا بازو اگر یہ سوچے کہ میں جسم کے ساتھ بندھا ہوا ہوں، میں جسم سے الگ ہو جاؤں گا تو آزاد ہو جاؤں گا اور میں اپنی مرضی کا مالک بن جاؤں گا،تو کیا بازو کی یہ سوچ ٹھیک ہوگی؟ ہرگز نہیں،اس کی زندگی جسم کے ساتھ وابستہ رہنے میں ہے۔اگر یہ جسم سے جدا ہوگا تو پھر یہ بے جان بن جائے گا، پھر اس میں کیڑے پڑیں گے، پھر اس کو گلی کے کتے چوسیں اور چچوڑیں گے۔اسی طرح اگر کوئی نوجوان یہ سوچے کہ گھر کے اندر والدین کے ساتھ رہتے ہوئے تو میں بندھا ہوا ہوں،لہٰذا میں الگ زندگی گزارتا

ہوں، اور یہ سوچ کر اپنی پوری فیملی سے الگ ہوا تو اس کا بھی وہی حال ہوگا۔ شیطانوں کی شکل میں جو انسان پھرتے ہیں وہ بھی اس کو گلیوں کے اندر گھسیٹیں گے اور بالآخر اس کا بھی وہ حشر ہوگا جو جسم سے جدا ہونے والے بازو کا ہوتا ہے۔

دو چیزوں کے جوڑنے کے دنیاوی ضابطے:

اسی بات کو میں ایک اور زاویے سے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اللہ رب العزت نے اس دنیا میں دو چیزوں کو جوڑنے کے لیے کسی نہ کسی تیسری چیز کو بنایا ہے۔ مثال کے طور پر:

☆ دو اینٹوں کو جوڑنے کے لیے اللہ رب العزت نے سیمنٹ کو بنا دیا۔ آپ سیمنٹ اپلائی کریں تو دو اینٹیں بالکل یک جان ہو جائیں گی۔ اگر ان کو الگ کرنا چاہیں تو وہ ٹوٹ جائیں گی لیکن پوری کی پوری ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گی۔

☆ اگر کاغذ کے دو ٹکڑے آپس میں جوڑنے ہوں تو سیمنٹ کام نہیں آئے گا۔ اس مقصد کے لیے اگر آپ گلو استعمال کریں تو کاغذ کے دو ٹکڑے آپس میں بالکل یک جان ہو جائیں گے۔

☆ اگر کپڑے کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو نہ سیمنٹ کام آئے گا اور نہ ہی گلو کام آئے گی، وہاں سوئی دھاگہ استعمال کرنا پڑے گا۔ سوئی دھاگے کو استعمال کرنے سے یہ دونوں ٹکڑے اس طرح اکٹھے ہو جائیں گے کہ بالکل یک جان بن جائیں گے۔

☆ اگر لکڑی کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو وہاں سیمنٹ یا سوئی دھاگہ بھی کام نہیں آئے گا، اللہ نے اس کے لیے کیل بنا دیا۔ آپ کیل گاڑیے، اس سے لکڑی کے دو ٹکڑے آپس میں جڑ کر یک جان ہو جائیں گے۔

☆ اور اگر لوہے کے دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہو تو اللہ رب العزت نے ویلڈنگ کو بنا دیا۔ آپ ان دونوں کو ویلڈ کر دیجیے، وہ بالکل یک جان ہو جائیں گے۔

دو دلوں کا جوڑ دینِ اسلام سے:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دو انسانوں کے دلوں کو یک جان کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے کس چیز کو بنایا ہے؟ اس کا جواب ہے ''دینِ اسلام''۔

اگر دو بندے دین پر عمل کرنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے الفتیں اور محبّتیں پیدا کر دے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم: 97)

بے شک جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں محبّتیں بھر دیں گے۔

نفرتیں کب آتی ہیں؟ جب دین پر عمل کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے۔ ہم نام تو دین کا استعمال کر رہے ہوتے ہیں اور مرضی اپنی چلا رہے ہوتے ہیں۔ وہاں آ کر پھر دلوں کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ وہ محبّتیں نہیں ہوتیں جو ہونی چاہئیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے میرے پیارے حبیب!

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ (الانفال: 63)

''اگر آپ زمین میں جو کچھ خزانے ہیں سب خرچ کر دیتے آپ ان لوگوں کے دلوں میں وہ محبّتیں پیدا نہیں کر سکتے تھے، یہ تو اللہ نے ان کے دلوں کے اندر محبّتیں پیدا فرما دی تھیں''

تو دینِ اسلام پر جہاں عمل ہو رہا ہوتا ہے وہاں اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ وہاں آپس میں دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبّتیں ہوں گی، الفتیں ہوں گی اور ہمدردی ہوگی۔ جس گھر کے اندر دینِ اسلام پر

عمل کیا جائے گا اس گھر کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ بہت Closely Connected (مضبوطی سے جڑے) ہوں گے۔ پھر ایسا نہیں ہوگا جیسا کہ اب باپ آکر کہہ رہا ہوتا ہے، حضرت صاحب! جی پتہ نہیں بیٹا میرے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کیوں نہیں کھاتا! حضرت صاحب! دعا کریں، بچے تو افلاطون بن گئے ہیں، ان کی ایک دوسرے کے ساتھ بنتی ہی نہیں ہے۔ جب ایک کی دوسرے کے ساتھ نہیں بنتی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت وسنت پر عمل کرنے میں کہیں نہ کہیں کوتاہی ہو رہی ہے۔

Something is seriously wrong somewhere.

کہیں ضرور کوئی گڑبڑ ہے
جس کی وجہ سے وہ محبّتیں نہیں ہیں جو ہونی چاہییں تھیں۔

اگر خاوند کہتا ہے کہ بیوی مجھے وہ محبّت نہیں دیتی جو میں Expact (امید) کرتا ہوں، بیوی کہتی ہے کہ خاوند مجھے وہ محبّت نہیں دیتا جو میں Expact (امید) کرتی ہوں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں میں دین پر عمل کرنے میں کہیں نہ کہیں کوئی فرق ہے۔ اگر دونوں طرف سے دین پر عمل ہوگا تو دلوں میں الفتیں اور محبّتیں ہوں گی۔

دینِ اسلام......ایک نعمت غیر مترقبہ:

یہ دین اللہ رب العزت کی ایک نعمت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المآئدہ:3) آج کے دن تمہارے لئے دین مکمّل کر دیا گیا اور میں نے اپنی نعمت تمہارے اوپر مکمّل کر دی۔

لہٰذا دین اسلام اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ یہ زندگی گزارنے کا سب سے بہترین طریقہ ہے، دنیا میں اس سے بہتر زندگی گزارنے کا طریقہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ مال دولت اور پیسے سے انسان جسم تو خرید سکتا

ہے، کسی دل کی محبّت تو نہیں خرید سکتا۔ مال سے انسان کسی بندے کی خوشامد تو خرید سکتا ہے مگر کسی کے دل کی چاہت کو تو نہیں خرید سکتا۔ یہ دل کی محبّت اور چاہت کا تعلّق دین کے ساتھ ہے۔ جب دین پر عمل ہوگا تو اللّٰہ تعالیٰ دلوں کے اندر محبّتوں کو بھر دیں گے، اور جب دل محبّتوں سے بھرے ہوتے ہیں تو یہ دنیا کی زندگی جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

شاخ نازک پرناپائیدار آشیانہ:

آج آپ اکثر یہ بات سنتے ہیں کہ دنیامیں اس وقت تہذیبوں کا ٹکراؤ ہو رہا ہے۔کیا مطلب؟......مطلب یہ کہ ایک طرف دین اسلام ہے، یہ انسان کو زندگی گزارنے کا ایک طریقہ بتا رہا ہے۔اور دوسری طرف کفر کے پاس Man-made Laws (انسان کے بنائے ہوئے قوانین) ہیں، جو ان کو زندگی گزارنے کا طریقہ بتاتے ہیں اور لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں طرح کے طریقہ ہائے زندگی ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا رہے ہیں۔ اس کو جو مرضی نام دے دیجیے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس وقت پوری دینا میں دو ہی طریقہ ہائے زندگی نظر آ رہے ہیں۔ایک ایمان والوں کے پاس طریقۂ زندگی ہے جو اللّٰہ رب العزت نے بھیجا ہے، اور وہ طریقہ اللّٰہ کے پیارے حبیب ﷺ لے کر آئے ہیں۔ یہ ایسا طریقۂ زندگی ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت کی کامیابی کی یقین دہانی کراتا ہے۔اور دوسرا کفر کے پاس وہ طریقۂ زندگی ہے جو انہوں نے Hit and Trial method سے وضع کیا۔یعنی ان کے ذہن میں کوئی بات آئی کہ زندگی میں ایسے اصول بنا لیتے ہیں، اس کی بنیاد پر انہوں نے وہ اصول بنا لیے، تو صاف ظاہر ہے کہ

جو　شاخ　نازک　پہ　آشیانہ　بنے　گا　ناپائیدار ہوگا

سونے کو سونا سمجھیے، پیتل نہیں:

آج آپ لکھے پڑھے لوگ سامنے موجود ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ کو Trilliuns of brain cell (دماغ کے کروڑوں خلیے) دیے ہیں۔ آپ کے پاس دنیا کی تعلیم ہے، آپ میچور لوگ ہیں اور آپ سوسائٹی کے Responcible (ذمہ دار) لوگ ہیں۔ آپ کے سامنے جب یہ بات آتی ہے تو اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ہم ڈاؤن فیل کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ نہیں، آج ہم ذرا اس بات کو Evaluate (غور) کریں گے کہ دینِ اسلام اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہمیں اس بات کا پکا یقین ہونا چاہیے کہ ہمارے ہاتھ میں سونا ہے۔ کفر اپنی طاقت کی بنیاد پر جو اس کو پیتل ثابت کرنا چاہتا ہے، وہ بات ہرگز نہیں ہے۔ کمزور ہونا ایک الگ چیز ہے اور ہاتھ میں سونا ہونا ایک الگ چیز ہے۔ کم از کم ہم اس کی ویلیو تو سمجھیں نا۔ اگر ویلیو کو ہی نہ سمجھے تو پھر انسان دین سے بیزار ہو جاتا ہے، کہ جی ہم نے کیا طریقہء زندگی اپنایا ہوا ہے۔ چنانچہ میں آج آپ کے سامنے چند ایسی باتیں بیان کروں گا جن کو بنیاد بنا کر آپ طریقہ ہائے زندگی کو کمپیئر (موازنہ) کر سکتے ہیں۔ ذرا توجہ فرمائیے!

(۱) ایمان باللہ کا تصور:

دینِ اسلام ہمیں ایمان لانا سکھاتا ہے۔ یہ ہمیں ایک تصور دیتا ہے کہ ہمارا ایک پروردگار ہے، جس نے ہمیں پیدا کیا اور قیامت کے دن ہمیں اس پروردگار کے سامنے کھڑا ہونا ہے، اگر نیکی کریں گے تو انعام کے مستحق ہوں گے اور اگر برائی کریں گے تو قیامت کے دن سزا پانے والے بنیں گے۔ یہ تصور اتنا عجیب ہے کہ انسان کی زندگی کے بڑے بڑے مسائل اس تصور سے حل ہو جاتے ہیں۔

ٹینشن سے نجات:

آپ ذرا غور کیجیے! ایک جواں سال لڑکی ہے۔ بائیس سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی۔ شادی کے چند

مہینے بعد اس کا شوہر کا ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ فوت ہوگیا۔اب وہ جوانی میں بیوہ ہوگئی۔اس کی زندگی میں اس سے بڑی مصیبت تو اور کوئی نہیں آسکتی نا، کہ وہ اس عمر میں بیوہ ہو چکی ہے۔لیکن اگر وہ مسلمان ہے تو آپ اس سے جا کر افسوس کریں کہ آپ کے خاوند کی وفات ہوگئی،تو آگے سے جواب دے گی کہ جی جو اللہ کی مرضی۔جب اس لڑکی نے آگے سے یہ جواب دیا، جو اللہ کی مرضی،تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کا سارے کا سارا بوجھ کسی اور طرف فٹ کر دیا ہے۔چنانچہ اس کے اپنے دماغ کے اوپر بوجھ نہیں ہوتا، وہ ٹینشن نہیں ہوتی جو ایک کافر کے پاس ہوتی ہے۔

نیویارک میں سات سو پاگل خانے کیوں؟

ایک بیرون ملک میں ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا، جی پاکستان میں کتنے پاگل خانے ہیں؟ میں نے کہا کہ دو چار یا پانچ دس ہوں گے اور ہمیں تو یہ بھی نہیں پتہ کہ وہ کس کس شہر میں ہیں اور کس کس شہر میں نہیں ہیں۔وہ کہنے لگا، کیا آپ کو پتہ ہے کہ نیویارک کے ایک شہر کے اندر سات سو ایسے ہاسپٹل ہیں، یا میڈیکل ٹریٹمنٹ کے ایسے سنٹرز ہیں جہاں پاگلوں کا علاج کیا جاتا ہے؟ میں سن کر حیران ہوا کہ ایک شہر میں سات سو پاگل خانے ہیں اور ہمارے ملک میں مشکل سے پانچ دس!وہ کہنے لگا: کیا آپ کو پتہ ہے کہ یہ فرق کیوں ہے؟ میں نے کہا: نہیں۔کہنے لگا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے ہاں اللہ کا تصور ہے، لہٰذا جب بھی ہم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو ہم اس کو اللہ کی طرف شفٹ کر دیتے ہیں، جی اللہ کی مرضی،اور یہاں پہ چونکہ وہ تصور نہیں ہے اس لیے یہ مسائل پیدا ہوتے ہیں۔یہاں جب ایک آدمی کا بزنس فلاپ ہو جاتا ہے،تو وہ بیٹھ کر سوچتا ہے۔اوہو!میں نے ایڈورٹائزمنٹ ٹھیک نہیں کی، میں نے مارکیٹنگ پہ توجہ نہیں دی، میں نے یہاں بھی کوتاہی کی اور وہاں بھی کوتاہی کی،اس طرح سارا بوجھ اپنے اوپر لے لیتا ہے۔اس لیے مینٹل ٹینشن کی وجہ سے وہ پاگل ہو جاتا ہے۔چنانچہ پاگل ہونے کی شرح یہاں اتنی زیادہ

ہے کہ ایک شہر میں سات سو پاگل خانے چاہییں۔

دیکھیے کہ یہ کتنی اعلیٰ نعمت ہے۔ یہاں کسی کو گھاٹا پڑ گیا، یا کسی کا کوئی بڑا Closed Loved One (انتہائی پیارا) تھا جو فوت ہو گیا، تو کہا جاتا ہے کہ جی اللہ کی مرضی۔ یہ اللہ کی مرضی کہنے پر جتنا بوجھ تھا وہ سارے کا سارا کہیں اور شفٹ ہو گیا۔ تو ایمان کی نعمت نے انسان کو پاگل ہونے سے بچا لیا۔ سبحان اللہ

ایمان باللہ کا ثمر:

یہ ایمان کی نعمت بندے کو نیکی پر زندگی گزارنے کی تعلیم دیتی ہے۔ مجھے ایک مرتبہ امریکہ کی ایک ریاست میں جانے کا موقع ملا۔ وہاں کے خطیب و امام کے ہاں ہم بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ وہ مجھے کہنے لگے کہ میں یہاں اتوار کے دن جیل میں جاتا ہوں اور وہاں کے لوگوں کو دین کی دعوت دیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مقامی حکومت نے یہ محسوس کیا کہ وہاں کے جو کریمنل مائینڈڈ (مجرمانہ ذہنیت کے) لوگ ہیں، وہ سزاؤں سے سیدھے نہیں ہوتے، ہاں اگر ان میں سے کوئی دین پر آجائے تو اس کی زندگی بدل جاتی ہے۔ اس لیے انہوں نے اس کی پرمیشن (اجازت) دے دی کہ جس مذہب کا بھی بندہ چاہے وہ آکر ان کو تعلیم دے تاکہ یہ بگڑے ہوئے لوگ اچھے شہری بن کر زندگی گزار سکیں۔

میں نے ان سے ایک سوال پوچھا: آپ اپنی زندگی میں پیش آنے والا کوئی اچھا واقعہ مجھے بتائیں؟ کہنے لگا کہ حضرت! واقعات تو بہت ہیں کہ ٹائم کم ہے، نماز کا وقت ہو رہا ہے، پھر آپ کا بیان بھی ہونا ہے، لہٰذا میں آپ کو صرف ایک واقعہ سناتا ہوں۔

ایک آدمی کو گرفتار کر کے جیل میں لایا گیا۔ میں نے اس کے سامنے دینِ ایمان کی بات کی اور وہ کچھ دنوں میں مسلمان ہو گیا اور میں نے اس کا نام علی رکھا۔ اب میں نے اس کو دین کی بنیادی باتیں سکھانی شروع کیں۔ حتیٰ کہ ہمارے درمیان بہت محبّت ہو گئی۔ ہم ایک دوسرے سے بہت کلوز ہو گئے۔ کچھ

مہینوں کے بعد ہم اپنی ذاتی باتیں بھی ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کرنے لگ گئے۔ایک دن میں نے اس سے ایک سوال پوچھا۔میں نے کہا: برادر علی! مجھے یہ بتائیں کہ اسلام لانے سے پہلے اور اسلام لانے کے بعد تمہیں اپنی زندگی میں کیا تبدیلی محسوس ہو رہی ہے؟......میرا یہ سوال سن کر اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔میں نے محسوس کیا کہ مجھے اس سے یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔چنانچہ میں نے اس کو تسلّی دی اور کہا کہ اگر آپ اچھا فیل نہیں کر رہے تو بے شک بات نہ کریں۔وہ کہنے لگا: نہیں، میں آپ کو بتاتا ہوں۔اسلام لانے سے پہلے میں ایک نفسیاتی مریض تھا، ایک وحشی انسان تھا، بلکہ انسان کی شکل میں ایک پکا حیوان تھا۔مجھے دوسرے انسانوں کو قتل کر کے مزہ آتا تھا اور جب ان کی لاشیں تڑپتی تھیں تو میں ڈانس کرتا تھا۔ابھی تو میں چھوٹے جرم سے آیا ہوں لہٰذا چند مہینوں کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔حقیقت یہ ہے کہ میں چھتیس (36) انسانوں کو بغیر کسی وجہ کے قتل کر چکا ہوں۔مجھے جہاں بھی موقع ملتا تھا میں بندے کو قتل کر دیتا تھا اور اسے تڑپتا ہوا دیکھتا تھا۔میں اتنا نفسیاتی مریض تھا کہ میں ان کو دیکھ کر ڈانس کرتا تھا۔میں کسی بھی قتل کے جرم میں پکڑا نہیں گیا۔اسلام لانے سے پہلے میری یہ حالت تھی۔اسلام لانے کے بعد تم نے مجھے خدا کا تصور دیا، قیامت کا تصور دیا اور بتایا کہ قیامت کے دن انسان کی زندگی کے اعمال کو تولا جائے گا۔اس ایک تصور نے میری زندگی میں اتنی تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ جب کبھی میں اپنے کمرے سے باہر نکلتا ہوں تو میں قدم رکھتے ہوئے خیال کرتا ہوں کہ پاؤں کے نیچے کوئی چیونٹی بھی نہ آ کر مرنے پائے۔یہ دینِ اسلام کا تصور ہے۔یہ ایمان ہے کہ وہ بندہ جو کفر کی حالت میں چھتیس بے گناہ انسانوں کو قتل کر چکا تھا، جب دین کے اندر داخل ہوا تو اب چیونٹی کے مرنے کا بھی خیال کرتا ہے۔یہ کتنی بڑی نعمت ہے! یہ دین اسلام کا ثمر اور پھل ہے۔

(۲) ماں باپ کا تصور

یہ 1972ء کی بات ہے۔ ہمارے ایک پروفیسر تھے ڈاکٹر اقبال علی۔ ایک مرتبہ وہ ہمیں سول انجینئرنگ کا لیکچر دے رہے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے یوکے سے پی ایچ ڈی کی۔ وہاں ایک مرتبہ میں اپنے دوست کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سیکرٹری نے کہا: جی آپ کی ہاسپٹل سے کال ہے......اب ہم لوگوں کا مائنڈ سیٹ کچھ ایسا ہے کہ ہاسپٹل کا نام آئے تو فوراً پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا؟...... چنانچہ جب اس نے کال سنی تو میں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا: نہیں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ بتاؤ! کہنے لگا میرے والد ہسپتال میں داخل تھے، مجھے ڈاکٹر کا فون آیا کہ وہ ایکسپائر ہو گئے ہیں۔ ان کی ڈیتھ ہو گئی ہے، اب بتائیں کیا کریں؟ میں نے انہیں فون پر ہی کہہ دیا ہے کہ آپ لاش سمنٹری سروسز (تدفین کرنے والی کمپنیوں) کے حوالے کر دیں، وہ ان کو دفن کر دیں گے اور بل مجھے بھیج دیں گے، بعد میں میں اس کی پے منٹ کر دوں گا۔ وہ کہنے لگے: میں حیران تھا کہ ایک بیٹا اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کا چہرہ دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا! ایک تصور یہ بھی ہے زندگی کا۔

کفار کے معاشرے میں ماں کی حیثیت:

کنیکٹی کٹ امریکہ کی ایک ریاست ہے۔ وہاں پر ماں نے اپنے جوان بیٹے پر مقدمہ کر دیا۔ یہ مقدمہ میڈیا پر دکھایا گیا اور اس کی کروسیڈنگ پوری دنیا نے دیکھی۔ ماں نے کہا تھا کہ میرا شوہر مر چکا ہے، میں اپنے جوان بیٹے کے ساتھ گھر میں رہتی ہوں اور میرا مقدمہ یہ ہے کہ میرے بیٹے نے ایک کتا پالا ہوا ہے اور یہ روزانہ تین سے چار گھنٹے اس کتے کے ساتھ گزارتا ہے۔ اس کو نہلاتا ہے، اس کو کھلاتا ہے، اس کو جاگنگ کے لیے ساتھ لے کر جاتا ہے اور اس کے ساتھ تین چار گھنٹے گزارتا ہے۔ میں اس کی ماں ہوں، میں اپنے کمرے میں ترستی رہتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے کا ایک مرتبہ چہرہ دیکھ لوں، لیکن پورے دن میں

ایک منٹ کے لیے بھی میرے پاس نہیں آتا۔ تو میں عدالت سے رجوع کرتی ہوں کہ وہ میرے بیٹے کو ایڈوائس کرے کہ وہ چند منٹ میرے پاس بھی بیٹھا کرے۔ بیٹے نے بھی وکیل کیا اور ماں نے بھی وکیل کیا۔ مقامی قانون کے مطابق مقدمہ چلا، چنانچہ وہاں کے جج نے یہ فیصلہ سنایا:

’’چونکہ اب اس کا بیٹا اٹھارہ سال سے زیادہ عمر کا ہو چکا ہے لہٰذا اس نے جو کتا پالا ہوا ہے وہ اس کے لیے Liability ہے۔ یعنی کتے کو کھانا کھلانا، نہلانا، لے کر جانا اور اس کی کیئرٹیکنگ (حفاظت) کرنا، یہ اس کی ذمہ داری ہے کیونکہ اس نے گھر میں Pet (پالتو) جانور رکھا ہوا ہے۔ اور چونکہ اس کی عمر اٹھارہ سال سے زیادہ ہو چکی ہے اس لیے اس کے ماں باپ اس کی Liability نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر ماں کو بیٹے کی کوئی ضرورت ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ حکومت سے رجوع کرے، حکومت اس کو اولڈ ایج ہاؤس میں لے جائے گی اور وہاں پر اس کی کیئرٹیکنگ (حفاظت) ہو جائے گی۔ بیٹے پر ذمہ داری نہیں ہے۔‘‘

اسلامی معاشرے میں ماں باپ کا مقام:

اب سوچیے کہ ایک معاشرہ ماں باپ کا یہ تصور دیتا ہے اور ایک معاشرہ دینِ اسلام میں ماں باپ کا یہ تصور دیتا ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بچہ اپنی ماں یا باپ کے چہرے پر محبّت کی ایک نظر ڈالتا ہے، اللہ رب العزت اس کو ایک حج یا ایک عمرہ کرنے کا اجر و ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی! اگر کوئی بار بار دیکھے تو؟ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

’’جو بار بار دیکھے گا اللہ تعالیٰ اس کو بار بار حج اور عمرے کا ثواب عطا فرمائے گا۔‘‘

اب ذرا غور کیجیے! آخر آپ پڑھے لکھے لوگ ہیں، ان دونوں قسم کے معاشروں میں Comparison (موازنہ) کریں کہ ان میں سے دینِ اسلام کی تعلیم کس قدر بہتر اور خوبصورت ہے بہ نسبت اس تعلیم

کے جو آج کفر دے رہا ہے!

(۳) ازدواجی زندگی کا تصور

میاں بیوی کی زندگی کے بارے میں ایک تصور دینِ اسلام نے دیا ہے اور ایک تصور کفر دے رہا ہے۔

باہمی الفت ومحبّت کا فقدان:

کفر کی زندگی کا تو یہ حال ہے کہ بائیس سال تک میاں بیوی اکٹھّے زندگی گزارتے ہیں اور بائیس سال کی ایسوسی ایشن کے بعد اگر کہیں خاوند کو سگریٹ پینے کی ضرورت پیش آئی اور اس کے پاس نہیں تھی تو وہ اپنی بیوی سے ادھار مانگتا ہے اور پھر بعد میں اسے واپس کرتا ہے، اور اگر بیوی کو سگریٹ پینے کی ضرورت تھی ، اور خاوند کے پاس ہے تو بیوی اس سے ادھار مانگتی ہے اور پھر وہ اسے ریٹرن کرتی ہے۔ اندازہ کریں کہ بائیس سال کی ایسوسی ایشن کے بعد بھی میاں بیوی کا صرف اتنا سا تعلّق ہوتا ہے۔ وہاں میاں بیوی کے درمیان باہمی الفت ومحبّت مفقود ہو چکی ہے۔ اس لیے وہاں طلاق کی شرح اتنی زیادہ ہو چکی ہے کہ انہوں نے شادیاں کرنا ہی چھوڑ دی ہیں۔

ایک انجینئر نگ مینجر کی زبوں حالی:

یہ اس وقت کی بات ہے جب میں ایک پراجیکٹ میں ایک مینجر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ ہم نے کچھ مشینیں امپورٹ (درآمد) کیں۔ ان کی انسٹالیشن کے لیے ایک انجینئر بھی ساتھ آئے۔ وہ چونکہ باہر سے آئے ہوئے تھے اس لیے ان کے ساتھ کوارڈی نیشن میرا کام تھا۔ ایک دفعہ ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کے کتنے بچے ہیں؟ میں نے بتایا کہ اتنے ہیں۔ پھر میں نے اس سے Counter Question (جوابی سوال) کیا کہ آپ کا فیملی سیٹ اپ کیا ہے؟ کتنے بچے ہیں؟ کہنے لگے، میں نے تو ابھی شادی بھی نہیں کی۔ میں نے پوچھا کہ آپ کی عمر کتنی ہوگی؟ کہنے لگے کہ باون

سال۔ میں نے ان سے کہا کہ مائیکل! باون سال تو کافی زیادہ عمر ہوتی ہے، اتنی عمر میں تو بندہ شادی کر ہی لیتا ہے، کیا کوئی مسئلہ تھا؟ آگے سے کہنے لگے:

When you can get milk from market, you donot need to have a cow in your house.

''جب تمہیں مارکیٹ سے دودھ مل جاتا ہے تو تمہیں گھر میں گائے پالنے کی کیا ضرورت ہے''

ایک یہ ازدواجی زندگی کا تصور ہے کہ اس معاشرے کا لکھا پڑھا انجینیر یہ الفاظ کہہ رہا ہے، کوئی عام بندہ نہیں کہہ رہا کہ وہ ایسے ہی loose talk (بیہودہ گوئی) کر رہا ہو، نہیں بلکہ وہ اس معاشرے کا ایک ذمہ دار بندہ ہے۔ اس کا ازدواجی زندگی کے بارے میں یہ تصور ہے۔

ایک اور انجینئر کی بیہودہ گوئی:

ایک مرتبہ ہم نے فیکٹری میں سٹیم بوائلر لگوانے تھے۔ اس مقصد کے لیے فرانس سے ایک انجینئر صاحب ایک دو ماہ کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ وہ ہمارے انجینئرز کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب نوجوان آپس میں بیٹھتے ہیں تو مذاق بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک نوجوان نے مذاق میں کہا: جی آپ کو یہاں آئے ہوئے پچیس دن ہوگئے، کیا تمہارا پیچھے کوئی رابطہ بھی ہوا ہے یا نہیں؟ کیا تمہارے بیوی تمہیں مس کرتی ہے یا نہیں؟ اسی طرح مذاق میں باتیں ہورہی تھیں کہ ایک نوجوان نے ان سے پوچھا: کیا تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے واپس جانے تک وہ تمہارے پاس رہے گی؟ تو وہ آگے سے مسکرا کر کہنے لگا:

Women are just like buses, if you miss one, take an-other .

(عورتوں کی مثال بسوں کی مانند ہے، ایک بس مس کر بیٹھو تو تم دوسری بس لے لو)

اسلامی تعلیمات:

اب ایک ذمہ دار بندہ ازدواجی زندگی کے بارے میں یہ کومنٹس پاس کررہا ہے۔ وہاں پر میاں بیوی کا یہ تعلّق ہے۔ اور ایک میاں بیوی کا تعلّق ہمیں دین نے سکھایا۔ دین کتنی محبّتوں کا یہ تعلق سکھاتا ہے؟ سنیے!

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهِ ''تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں سے اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہے''

نبی علیہ السّلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''جب خاوند بیوی کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی اپنے خاوند کی طرف دیکھ کر مسکراتی ہے تو اللہ رب العزت ان دونوں کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہیں۔''

اب ازدواجی زندگی کے بارے میں دینِ اسلام کا تصور بھی آپ کے سامنے ہے اور کفر کا تصور بھی آپ کے سامنے ہے۔ اب آپ خود اپنے ذہن سے ای ویلیوایشن کر کے دیکھ لیجیے کہ اسلام نے ہمیں ازدواجی زندگی گزارنے کا کتنا خوبصورت تصور دیا ہے۔ اس سے بہتر تو اور کوئی تصور نہیں ہوسکتا۔

(۴) خیرخواہی کا تصور

اسلام ہمیں خیرخواہی سکھاتا ہے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ

''دین (سراسر) خیرخواہی ہے''

یعنی جو دین دار شخص ہوگا وہ ہمیشہ ہر بندے کا خیرخواہ ہوگا۔ وہ ہر کسی کے ساتھ خیرخواہی کا معاملہ کرے گا۔ یہ دین کی ایک بنیادی تعلیم ہے۔ گویا دین خیرخواہی کا دوسرا نام ہے۔ ہمارے اکابر دوسروں کے ساتھ کتنے خیرخواہ تھے اس کی چند مثالیں سن لیجیے۔

گاہکوں کے ساتھ خیر خواہی:

امام اعظم ابو حنیفہ i ایک دن ظہر کے بعد دکان بند کر کے اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے، آپ سے ایک آدمی ملے۔انہوں نے پوچھا، نعمان! کیا آپ دکان بند کر کے گھر جا رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں میں نے دکان بند کر دی ہے۔پوچھا: کیوں بند کر دی ہے؟ فرمانے لگے: اس لیے بند کر دی کہ آج آسمان پر بادل آگئے ہیں، روشنی پوری نہیں ہے، جس کی وجہ سے کسٹمر کو کپڑے کی کوالٹی کی صحیح ججمنٹ نہیں ہوتی، میں نے دکان بند کر دی ہے تاکہ کوئی کم قیمت کپڑے کو بیش قیمت سمجھ کر مجھ سے نہ خرید لے، اسے دھوکا نہ لگ جائے۔ایک دکاندار اپنے کسٹمر کا اتنا خیر خواہ تھا۔

بائع کے ساتھ خیر خواہی:

مشتری بھی بائع کا خیر خواہ ہوا کرتا تھا......ایک صحابی رضی اللہ عنہ گھوڑا خریدتے ہیں۔مثال کے طور پر انہوں نے وہ گھوڑا ایک ہزار درہم میں خریدا۔اسے لے کر گھر آئے، انہوں نے اسے باندھ دیا۔اگلے دن ان کے ایک دوست آئے۔انہوں نے اپنے دوست سے کہا: میں نے یہ گھوڑا خریدا ہے۔دوست نے دیکھ کر کہا: جی یہ تو بہت اچھا گھوڑا ہے، لگتا ہے کہ یہ تو پندرہ سو درہم کا ہوگا۔جب اس نے ای ویلیوایشن دی کہ یہ پندرہ سو درہم کا ہوگا تو وہ اگلے دن پانچ سو درہم اور لے کر گھوڑا بیچنے والے کے پاس گئے اور کہا:

''جی آپ یہ پانچ سو درہم اور لے لیجیے، وہ آپ کی چیز تھی اور آپ کو اس کی ویلیو کا اندازہ نہیں تھا۔ایک تھرڈ پرسن (تیسرے بندے) نے اس کو Evaluate (پرکھا) کیا ہے کہ یہ پندرہ سو درہم کا ہے، لہٰذا میں آپ کو پانچ سو درہم دینے کیلیے آیا ہوں، میں آپ کے ساتھ بدخواہی نہیں کرسکتا۔''

نو وارد کے ساتھ خیر خواہی:

جن دنوں بغداد مسلمانوں کا مرکز ہوا کرتا تھا اس وقت کافروں نے وہاں ایک بندے کو بھیجا اور کہا: جاؤ

اور وہاں دیکھو کہ ان کے معاشرے میں کونسی ایسی بات ہے کہ یہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت بنے ہوئے ہیں اور یہ جہاں جاتے ہیں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ چنانچہ وہ بغداد آیا، اس کو بھوک لگی ہوئی تھی۔ وہ ایک ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کے لیے چلا گیا۔ اس کے قریب ایک اور آدمی بھی کھانا کھا رہا تھا۔ وہ اس نووارد کو وقفے وقفے سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے یہ دیکھ کر سوچا کہ چونکہ میں نووارد ہوں اس لیے یہ میری طرف دیکھ رہا ہے۔

جب وہ کھانا کھا کر فارغ ہوا تو وہ کاؤنٹر پر آ کر کیشئر سے کہنے لگا: بتائیں مجھے کتنا بل پے کرنا ہے؟ اس نے کہا، جناب! آپ کا بل تو پے ہو چکا ہے۔ پوچھا: کس نے کیا ہے؟ اس نے کہا: جناب! جو بندہ آپ کے ساتھ بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، وہ اپنا بل جب دینے کیلیے آیا تو کہنے لگا کہ یہ بندہ مجھے مسافر نظر آتا ہے، اور یہ مسافر آج میرا مہمان ہے، اس لیے اس کی پے منٹ میں کر دیتا ہوں۔ اس نے آپ کو اطلاع اس لیے نہیں دی کہ وہ آپ سے تھینک یو کا لفظ بھی نہیں سننا چاہتا تھا، اس کا اجر وہ اپنے اللہ سے چاہ رہا تھا۔“

وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ لوگ اتنے مہمان نواز ہوتے ہیں!

دکانداروں کی باہمی خیر خواہی:

اس کے بعد وہ آگے چلا۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے کوئی چیز خریدنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ وہ ایک دکان پر گیا۔ دکان دار سے پوچھا: کیا آپ فلاں چیز مجھے دے دیں گے؟ اس نے کہا: ہاں اتنے درہم میں یہ چیز آپ کو ملے گی۔ اس نے کہا، جی ایک پیس دے دیجئے۔ دکاندار کہنے لگا: پلیز! آپ میری ایک بات مان لیں کہ یہی چیز اتنی ہی قیمت میں سامنے والی دکان سے مل جائے گی، آپ وہاں سے خرید لیں۔ وہ وہاں چلا گیا، وہی چیز اس کو اتنے ہی پیسوں میں وہاں سے مل گئی۔ اس آدمی کے ذہن میں خیال

آیا کہ پہلی دکان والے نے یہ چیز مجھے کیوں نہیں دی؟ دکاندار تو کبھی کسٹمر کو خالی نہیں جانے دیتا، وہ تو سوچتا ہے کہ مجھے کسی نہ کسی طرح اسے قائل کرنا چاہیئے، اور اس نے خود مجھے دوسری دکان پر بھیج دیا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ چنانچہ وہ پہلے دکاندار کے پاس آکر کہنے لگا، جی آپ کے پاس یہ چیز تھی نہیں یا آپ مجھے دینا نہیں چاہتے تھے؟ اس نے کہا ''یہ چیز تو میرے پاس بھی تھی مگر میں چاہتا تھا کہ آپ مجھ سے خریدنے کی بجائے اس سے خریدیں۔''

وہ کہنے لگا: لیکن دکاندار تو کبھی ایسا نہیں کرتا، آپ نے کیوں ایسا کیا؟ اس نے آگے سے جواب دیا:

''اصل وجہ یہ ہے کہ آج میرے پاس اتنے گاہک آئے کہ مجھے اتنا نفع ہو چکا ہے کہ میرے بیوی بچوں کا آج کا گزارہ ہو جائے گا، میں دیکھتا رہا کہ آج میرے اس دکاندار بھائی کے پاس کوئی کسٹمر نہیں آیا۔ میں نے کہا: آپ اس سے وہ چیز خریدیں گے تو اس کو نفع ہوگا اس طرح اس کے بیوی بچوں کیلیے بھی کھانے کا انتظام ہو جائے گا۔''

دکاندار ایک دوسرے کے اتنے خیر خواہ تھے۔ یہ خیر خواہی اسلام سکھاتا ہے۔

کفار کے ہاں خیر خواہی کا انداز:

یہ خیر خواہی کفر نہیں سکھاتا۔ کفر تو اگر کسی کے ساتھ بھلا کرتا ہے تو وہ بھی اپنے فائدے کی خاطر کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر غریب کے ہاتھ میں کشکول ہوتا ہے تو اس کو سود پر قرضہ دیا جاتا ہے اور اس کو بھی امداد کا نام دیا جاتا ہے......سبحان اللہ!!!......ذرا غور کیجیے کہ سود در سود قرضہ دیا جا رہا ہے۔ اور اس کو نام بھی امداد کا دیا جا رہا ہے اور شرط لگائی جا رہی ہے کہ یہ کام ہمارے ہی ملک کی کمپنیوں سے کروانے ہیں تا کہ منافع بھی وہیں جائے۔ کفر اس طرح خیر خواہی کر رہا ہے۔

کفار کے کتے بلیوں کا خرچہ:

مجھے بیرون ملک میں یا ک میوزیم (عجائب گھر) دیکھنے کا موقع ملا۔اس میں ایک عجیب فگر لکھی ہوئی تھی۔انہوں نے لکھا کہ دنیا سے غربت ختم کرنے کیلیے اتنے بلین ڈالر ہر سال چاہئیں اور یورپ اتنے ہی بلین ڈالر ہر سال Pet (پالتو جانوروں) پر خرچ کردیتا ہے۔وہاں گھروں میں جو کتے بلیاں پالی جاتی ہیں ان کتے اور بلیوں کا خرچہ اتنے بلین ڈالر ہے جتنے بلین ڈالر انسانوں کی غربت ختم کرنے کے لیے ہر سال درکار ہوتے ہیں،مگر المیہ یہ ہے کہ غربت کو ختم نہیں کیا جاتا،کیوں؟ اس لیے کہ یہ خیرخواہی اللہ کی رضا کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ خیرخواہی اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر ہے۔وہ تو گویا یوں کہتے ہیں کہ

''بس،ہم تمہارے بڑے ہیں اور تم ہمارے چھوٹے ہو،بہت اچھی زندگی گزرے گی۔''

اب سوچیے کہ دین اسلام نے ہمیں کتنی خیرخواہی کی تعلیم دی ہے۔ایک دوسرے کے ساتھ الفت ومحبّت کی تعلیم دی۔

ایک یہ دین اسلام کا تصور ہے اور ایک کفر کی زندگی ہے۔اب آپ خود ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے Open minded (کھلے دل سے) ہو کر سوچیے کہ ان دونوں طریقہ ہائے زندگی میں سے بہترین طریقہ کونسا ہے؟انسانیت کہاں ہے؟ محبّت کہاں ہے؟ ہمدردی کہاں ہے؟ خیرخواہی کہاں ہے؟ وہاں تو کیا خوب سودا نقد ہے!اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے،کا معاملہ ہے۔

(۵) حیااور پاکدامنی کا تصور

اسلام کی تعلیم:

اسلام ہمیں حیاوالی زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔چنانچہ دین اسلام نے پردے کا حکم دیا۔محرم اور غیر

محرم کا تصور دیا، تاکہ ہر بندہ اپنی گھریلو زندگی پرسکون ہو کر گزار سکے اور کسی دوسرے کی عزت کی طرف میلی آنکھ بھی نہ اٹھے۔ دین نے کہا:

اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ حیاء دین کا اک ایک شعبہ ہے۔

دین اسلام کہتا ہے کہ تم دوسرے کی عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو تاکہ تمہارے دل کے اندر کوئی برا خیال بھی نہ آئے، یہ اسلام کی تعلیم ہے۔

کفر کی تعلیم:

حیا کے بارے میں ایک کفر کی تعلیم ہے۔ وہاں پر یہ کہا جاتا ہے کہ

Shyness is a sickness حیا ایک بیماری ہے

وہاں سکول کے بچے اگر خاتون ٹیچر کے سامنے مسلمان ہونے کی وجہ سے نظریں جھکا کر بات کرتے ہیں تو انہیں یہی کہا جاتا ہے کہ ''شرم ایک بیماری ہے، آئی ٹو آئی کنٹیکٹ رکھ کر (آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر) بات کرو۔'' بچوں کو یہ سکھایا جاتا ہے۔

وہاں پر لباس کی کوئی قید نہیں۔ آج کفر خود بھی اس سے تنگ ہو چکا ہے۔ ان کی تعلیم گاہوں میں اگر آپ جا کر دیکھیں تو اس کے طلبا اور طالبات کے جسموں پر جو لباس ہوتا ہے، اسے دیکھ کر انسان حیران ہوتا ہے کہ یہ اس لباس میں کیسے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی گزارتے ہیں!

پارٹیوں میں غیرت کا جنازہ:

وہاں پارٹیاں بھی ہوتی ہیں۔ ان پارٹیوں میں اجتماعی ڈانس ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے بالکل سامنے جنسی تعلّقات قائم کرتے ہیں۔ وہاں کے نظامِ زندگی میں عورت کسی کا گھر بساتی ہے اور دل میں کسی اور

کو بساتی ہے۔میاں بیوی کفر کے ماحول میں اکٹھے رہتے ہیں۔مگر اکٹھے بھی کس طرح رہتے ہیں کہ کچن کا خرچہ الگ الگ کما کر دونوں اکٹھا کرتے ہیں۔دونوں شام کو نائٹ کلب جانے کے لیے تیار ہو کر نکلتے ہیں اور وہاں نائٹ کلب میں خاوند الگ عورت کے ساتھ وقت گزارتا ہے اور بیوی الگ مرد کے ساتھ جنسی بے راہ روی کا شکار ہوتی ہے اور وہاں سے فارغ ہو کر دونوں میاں بیوی واپس گھر آجاتے ہیں۔

اب آپ خود غور کیجیے کہ ایک طرف ازدواجی زندگی کا تصور اسلام نے دیا ہے۔اس میں حیا اور پاکدامنی کا ایک بہترین نظام ہے۔اور دوسری طرف کفر ازدواجی زندگی کا یہ تصور دیتا ہے۔تھوڑا سا غور کریں اور سوچیں تو دل سے آواز اٹھے گی کہ انسانیت اس کا نام نہیں ہے کہ سو سو مرد اور عورتیں اکٹھے ایک جگہ اور ایک دوسرے کے سامنے اس طرح جنسی تعلّقات قائم کر رہے ہوں جیسے حیوان ہوتے ہیں۔گھوڑوں گدھوں میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۶) سچ کا تصور

اسلامی تعلیمات:

اسلام ہمیں سچ کی زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث ہوا ہوں

ان مکارمِ اخلاق میں پہلی بات نبی علیہ السّلام نے یہ ارشاد فرمائی:

’’سچ بولو اور سچائی کا معاملہ کرو۔‘‘

اب ہم اگر سچ نہیں بولتے تو یہ ہماری کمی ہے،البتہ دین کی تعلیم یہی ہے کہ مومن سچ بولے۔نبی علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا:

’’مومن سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔‘‘

اسلام کی جیت:

انڈیا کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، اس کا نام تھا کاندھلہ۔ وہاں پر ایک پلاٹ تھا، اس پر ایک ہندو اور ایک مسلمان کے درمیان ایشو بن گیا۔ مسلمان کہتا تھا کہ یہ میرا ہے اور ہندو کہتا تھا کہ یہ میرا ہے۔ یہ دونوں کا پرسنل معاملہ تھا، مگر مسلمان نے تھوڑی سی ہوشیاری دکھائی اور اس نے یہ کہہ دیا کہ اگر یہ پلاٹ مجھے مل گیا تو میں یہاں مسجد بناؤں گا۔ جب اس نے مسجد بنانے کی بات کی تو وہاں کے سب مسلمان اس کے ساتھ ہوگئے کہ اس کو ملنا چاہیے۔ اُدھر ہندو سارے اکٹھے ہوگئے۔ اس طرح یہ ایک بڑا حساس سا مسئلہ بن گیا۔

عدالت میں مقدمہ چلا گیا۔ جب پیشی کا وقت آیا تو دونوں طرف سے سینکڑوں لوگ پہنچ گئے۔ جج سمجھدار آدمی تھا، گو کافر تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ بہت ہی حساس معاملہ ہے، اگر تھوڑی سی اونچ نیچ ہوگئی تو اس گاؤں کے اندر انسانوں کی لاشیں نیچے گریں گی، اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس کو افہام وتفہیم کے ساتھ طے کرلیا جائے۔ چنانچہ اس نے دونوں پارٹیوں سے پوچھا کہ بتاؤ! کیا کوئی ایسا طریقہ ہے کہ مسئلہ کو ہم ٹیبل پر بات چیت کے ذریعے حل کرلیں؟

ہندوؤں نے کہا: ہاں ایک طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ ہم ایک مسلمان عالم کا نام دیتے ہیں، اس کو بلا کر اس سے گواہی لے لیں، اگر وہ کہیں کہ مسلمان کا ہے تو اس کو دے دیں اور اگر وہ کہے کہ ہندو کا ہے تو ہندو کو دے دیں۔ جج نے کہا: بہت اچھا! اس طرح یہ مسئلہ اچھے طریقے سے حل ہوجائے گا۔ اس کے بعد جج نے اگلی تاریخ ڈال دی۔

مسلمان بڑے خوش ہوئے کہ جو بھی ہوگا، آخر وہ مسلمان ہی ہوگا اور وہ اللہ کا گھر بنانے کی ہی بات کرے

گا۔وہ تو یہی کہے گا کہ مسلمان کو دو تا کہ اللہ کا گھر بنے، اور ہندوؤں نے جو کہا تھا کہ اگر ہمیں ملا تو ہم مندر بنائیں گے،اس طرح مندر تو نہیں بنے گا۔اس کے برعکس ہندو عوام الناس بہت ہی ڈاؤن فیل کر رہے تھے،انہوں نے اپنے نمائندوں سے کہا: تم نے وہاں جا کر کوئی اچھی تجویز نہیں دی،تم نے مسلمان کا نام دے دیا، پتہ نہیں مسلمان آگے سے کیا بیان دے دے؟ لیکن جو کہنے والے تھے وہ مطمئن تھے کہ ہم نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا۔

اب وہ دن بھی آگیا گنے جاتے تھے دن جس دن کے لیے

اس دن عدالت میں لوگوں کا بے تحاشا ہجوم تھا۔اس وقت انگریز جج نے ہندوؤں سے پوچھا: وہ مسلمان عالم کون ہیں؟ انہوں نے مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کا نام لیا، چنانچہ ان کو عدالت میں بلایا گیا۔

جج نے مفتی صاحب سے پوچھا: مفتی صاحب! بتائیے، یہ زمین کا ٹکڑا مسلمان کا ہے کہ ہندو کا؟ اب مسلمان بہت ہی مطمئن تھے کہ مفتی صاحب کو فوراً جواب ہوگا کہ مسلمان کا،لیکن مفتی صاحب نے انگریز کی عدالت میں کہا کہ جج صاحب! اگر آپ مجھ سے گواہی لینا چاہتے ہیں تو میں یہ گواہی دوں گا کہ یہ زمین کا ٹکڑا ہندو کا ہے،اور یہ اس کی ملکیت ہے۔پھر جج نے پوچھا: کیا ہندو اس پر مندر بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا: جب ملکیت اس کی ہے تو اس کی اپنی صوابدید ہے کہ اس پر اپنا گھر بنائے یا مندر بنا لے۔ جب انہوں نے یہ بیان دیا تو مسلمان ہکے بکے رہ گئے کہ مفتی صاحب نے کیا بیان دے دیا! مگر انگریز جج نے ایک تاریخی فیصلہ دیا۔اس نے فیصلہ یہ دیا:

”آج کے اس مقدمے میں مسلمان تو ہار گئے،مگر اسلام جیت گیا“

جب اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تو ہندوؤں نے کہا کہ ”جج صاحب! آپ نے اپنا فیصلہ سنایا، ہمارا فیصلہ بھی ذرا سن لیجیے، وہ فیصلہ یہ ہے کہ ہم اس سچے دین کے سچ کی عظمت سے متاثر ہو کر اعلان کرتے ہیں کہ ہم

کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں۔ اب ہم اپنے ہاتھوں سے اس جگہ پر مسجد بنائیں گے۔‘‘

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

(۷) ایثار کا تصور

ایک اور پوائنٹ پر غور کیجیے، ہم جب مل کر رہتے ہیں تو ہمیں کئی مرتبہ دوسروں کی خاطر Sacrifice (قربانی) کرنا پڑتی ہے۔ اس کو دین اسلام کی ٹرم میں ’’ایثار‘‘ کہتے ہیں۔ ایثار کیلیے انگریزی کا کوئی لفظ ملتا ہی نہیں، کیونکہ ان کے ہاں یہ ہوتا ہی نہیں۔ ان میں ایثار ہو گا تو وہ اس کے لیے کوئی لفظ بنائیں گے نا۔ جب یہ صفت ہی نہیں ہوتی تو پھر لفظ کہاں سے نظر آئے۔ مجھے اس کے لیے کوئی پراپر لفظ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ دین اسلام میں چونکہ اس خلق کی تعلیم دی گئی ہے اس لیے یہ نام بھی موجود ہے۔ ایثار کا مطلب ہے اپنی ضرورت کو دبا کر اپنے بھائی کو مقدم کرنا، یہ تعلیم کس نے دی؟ دین اسلام نے دی۔ چنانچہ قرآن مجید کی تعلیم ہے:

وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:9) وہ خود ضرورت مند ہوتے ہیں لیکن بھائیوں کی خاطر ایثار کرتے ہیں۔

تین صحابہؓ کا مثالی ایثار:

جنگ تبوک کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک آدمی زخموں سے بہت نڈھال تھا۔ پیاس کی شدت سے اَلْعَطْشُ اَلْعَطْشُ (پیاس پیاس) کہہ رہا تھا۔ اس کا ایک کزن پانی کی ایک مشک لے کر جاتا ہے کہ اسے پانی دے۔ جب اسے پلانے لگتا ہے تو دوسری طرف سے آواز آتی ہے اَلْعَطْشُ (پیاس) اس نے اپنا منہ بند کر لیا اور اشارہ کیا کہ اس بھائی کو پہلے پلاؤ۔ جب وہ دوسرے کو پلانے جاتا ہے تو تیسری طرف سے

آواز آتی ہے العطش (پیاس) اس دوسرے نے بھی اپنا منہ بند کر لیا اور تیسرے کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔ جب وہ تیسرے کے پاس پہنچا تو وہ اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ پھر وہ جلدی سے دوسرے کی طرف لوٹ کر آیا تو دیکھا کہ اس کی روح بھی پرواز کر چکی تھی، اس کے بعد وہ پہلے کے پاس آیا تو اس کی روح بھی قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی تاریخِ انسانیت میں ایثار کی ایسی مثال کوئی پیش ہی نہیں کر سکتا کہ عین موت کے وقت بندے کو جو شدت کی پیاس محسوس ہوتی ہے اس وقت بھی بندہ اپنے بھائی کو اپنے اوپر مقدم کر رہا ہوتا ہے یہ تعلیم کس نے دی؟ دین اسلام نے دی۔

ابوالحسن نوریؒ کا ایثار:

ابوالحسن نوریؒ ایک بزرگ تھے، انہوں نے ایک فتویٰ دے دیا جو وقت کے حاکم کو برا لگا۔ اس نے ان کو بھی اور ان کے چند ساتھیوں کو بھی پکڑوا لیا اور حکم دے دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس نے ان کے قتل کا منظر دیکھنے کی پلاننگ بھی کی۔ حاکم نے دیکھا کہ ابوالحسن نوریؒ آگے کھڑے ہیں۔ ان کے پیچھے ان کے ایک شاگرد کھڑے تھے اور ان کے بھی پیچھے ایک صاحب کھڑے تھے۔ حاکم کے اپنے دل میں ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عزت تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ میں باقیوں کو تو بے شک قتل کروا دوں لیکن ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کو میں رہا کر دوں گا۔ لیکن ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے کھڑے تھے۔

چنانچہ حاکم وقت نے کہا کہ یہ جگہ ٹھیک نہیں ہے ان کو اس جگہ پر لاؤ۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی ترتیب بدل جائے گی۔ لیکن وہاں بھی ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے تھے۔ پھر اس نے کہا: نہیں یہ جگہ بھی ٹھیک نہیں ہے، ان کو یہاں لے آؤ۔ پھر دیکھا تو بھی ابوالحسن نوریؒ پہلے نمبر پر تھے۔

بالآخر حاکم نے ابوالحسن نوری i کو بلا کر کہا۔ ابوالحسن! میں چاہتا تھا کہ کسی اور کو قتل کر دوں اور آپ کو بہانہ بنا کر رہا کر دوں، مگر کیا وجہ ہے کہ تینوں جگہ پر آپ ہی سب سے پہلے کھڑے نظر آئے، ارادتاً کھڑے

ہوئے تھے یا بائی چانس؟......ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں ارادتاً آگے کھڑا ہوا۔ اس نے پوچھا: کیوں؟ جواب ملا کہ میں ارادتاً اس لیے آگے کھڑا ہوا کہ جتنی دیر آپ کا جلاد مجھے قتل کرنے میں لگائے گا اتنی دیر کے لیے میرے بھائیوں کو اور زندہ رہنے کا موقع مل جائے گا ایثار کی وہ تعلیم جو دین اسلام نے دی وہ کوئی اور دے ہی نہیں سکتا۔

اس پوائنٹ پر بھی آپ دونوں طریقہ ہائے زندگی کو تولیں کہ ایک یہ طریقہ زندگی ہے جہاں ایثار ہی ایثار ہے اور ایک کفر کا طریقہء زندگی ہے جس کے پاس ایثار کے مترادف کوئی لفظ ہی نہیں ہے۔

کفر کے معاشرے کی ایک مثال:

ہمارے ایک واقف کار تھے جو U.K. (انگلینڈ) میں رہتے تھے۔ یہاں سے ان کے ماموں ان سے ملنے کے لیے گئے۔ ان کے یہاں آموں کے باغات تھے۔ جب جانے لگے تو والدہ نے پھلوں کی ایک ٹوکری دی اور کہا کہ میرے بیٹے کو اپنے باغ کے پھل دینا...... ماں ایسی ہستی ہے کہ جب تک وہ اپنے ہاتھ سے کھانے کی چیز نہ دے اسے تسلّی ہی نہیں ہوتی...... چنانچہ ان کے ماموں پھلوں کی ٹوکری لے کر ان کے پاس گئے اور کہا کہ یہ تحفہ تمہاری امی نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔ انہوں نے خود بھی آم کھائے اور کچھ آم دائیں طرف والے پڑوسیوں کو بھیج دیے۔ تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازے پر جا کر دیکھا تو دونوں طرف کے پڑوسی موجود تھے۔ پوچھا: آپ لوگ کیسے آئے؟ انہوں نے کہا، مسٹر احمد! آپ نے جو آم بھیجے وہ بہت ہی مزے دار تھے۔ ہم نے بہت انجوائے کیا، لیکن آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں کہ ان کی پرائس کتنی تھی؟ آپ ہمیں بل دیں تا کہ ہم آپ کو پے کریں...... اب اس معاشرے کے لوگ حیران! جب کوئی اللہ کی رضا کے لیے کسی کو گفٹ دے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ اگر وہ گفٹ بھی کرتے ہیں تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد پوشیدہ ہوتا ہے۔ انہیں ایک دوسرے کو بے مقصد گفٹ دینا سمجھ نہیں

آتا۔

اسلامی معاشرے کی مثال:

لیکن اسلامی معاشرے کے اس خلق ''ایثار'' کا ایک اور واقعہ سناتا ہوں۔ یہ آج سے تقریباً تیس سال پہلے کا واقعہ ہے......ایک صاحب کابل گئے اور وہاں سے واپس آتے وقت وہ انار اور دوسرے پھلوں کی ایک ٹوکری بھر کر لائے۔ اللہ کی شان کہ جب وہ یہاں پاکستان پہنچے تو انہوں نے وہ ٹوکری اپنی والدہ کے حوالے کر دی اور کہا کہ میں وہاں سے آپ کے لیے وہاں سے تحفہ لایا ہوں۔

ان کے کچھ رشتہ دار انہیں دہلی سے ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے اور وہ اسی دن واپس جا رہے تھے۔ والدہ نے بیٹے سے کہا: بیٹا! رشتہ دار مستورات واپس جا رہی ہیں۔ کیوں نہ یہ پھلوں کی ٹوکری ان کو دے دیں؟ چنانچہ انہوں نے وہ پھلوں کی ٹوکری ان کو دے دی۔ اب جب ان لوگوں نے پھلوں کی وہ ٹوکری اپنی والدہ کو دی۔ اس وقت اس کی والدہ کے پاس گھر کی خادمہ (ماسی) جو بیوہ تھی، اپنے گھر کے دکھڑے بیان کر رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میرے بچے یتیم ہیں، خاوند نہیں ہے، بڑی پریشانی کا عالم ہے۔ جب اس کی والدہ نے اس عورت کے دکھڑے سنے تو اس نے وہ ٹوکری اسی طرح اٹھا کر اس خادمہ کے حوالے کر دی اور اس طرح اس کے یتیم بچوں نے ان پھلوں کو کھایا، اللہ اکبر!! کابل سے پھل چلتے ہیں اور لاہور آتے ہیں اور لاہور سے دہلی جاتے ہیں، اور دہلی جا کر ایک بیوہ عورت کے ہاتھ میں پہنچتے ہیں، پھر وہاں سے ان یتیموں کو وہ پھل کھانے کو مل جاتے ہیں۔ اسلام ہمیں ایثار کی یہ تعلیم دیتا ہے۔ اب آپ ذرا کھلے دل و دماغ سے سوچیے کہ ان دونوں طریقہ ہائے زندگی کے درمیان موازنہ کر کے دیکھیے کہ انسانیت کی صحیح تصویر کس طریقۂ زندگی میں نظر آتی ہے۔ یقیناً وہ تصویر دین اسلام میں ہی نظر آتی ہے۔

تابعین کے دور کی حیرت انگیز مثال:

تابعین کے زمانے کا ایک واقعہ ہے ۔ ایک صاحب نے زمین خریدی اور دوسرے نے زمین بیچی ۔خریدنے والے نے ہل چلائے ۔ جب گہرا ہل چلایا گیا تو اس زمین میں سے ایک صندوق برآمد ہوا۔اس کے اندر سونا چاندی بھرا ہوا تھا۔پہلے زمانے کے لوگ سونا چاندی کو محفوظ کرنے کیلیے زمین میں دبا دیتے تھے۔ جب وہ خزانہ نکلا تو وہ آدمی بڑا حیران ہوا۔اس نے سوچا کہ میں نے تو اس سے زمین خریدی تھی ۔خزانہ تو نہیں خریدا تھا۔لہٰذا اگلے دن وہ بیچنے والے کے پاس گیا اور جا کر کہنے لگا، جی زمین سے یہ خزانہ نکلا ہے، یہ آپ کا ہے اور آپ مجھ سے لے لیجیے۔ جب یہ دینے لگا تو اس بندے نے کہا، نہیں بھئی! جب میں نے زمین بیچ دی تو اس کے بعد اس میں سے جو نفع نکلے گا وہ آپ کا ہوگا، میرا نہیں ہوگا، لہٰذا یہ میرا نہیں بلکہ آپ کا ہے۔

اب ان کا آپس میں اختلافِ رائے ہو گیا۔لہٰذا فیصلہ کروانے کے لیے دونوں جج کے پاس آئے۔ جب ہم صحیح معنوں میں مسلمان تھے تو ہمارے ایسے مقدمے عدالتوں میں آتے تھے کہ ایک کہتا تھا کہ میرا حق نہیں، میرے بھائی کا حق ہے۔دوسرا کہتا تھا کہ میرا نہیں، میرے بھائی کا حق ہے۔جج صاحب! فیصلہ کر دیجیے۔ آج کے تو معاملات ہی اور ہیں۔ایک کہتا ہے کہ اپنے حق کی خاطر خون کا آخری قطرہ بھی بہا دوں گا، جبکہ دوسرا کہتا ہے کہ میں اپنے حق کی خاطر یہ کر دوں گا۔اس لیے آج عدالتوں میں جاؤ تو عداوتیں ملتی ہیں۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا گیا۔جج بھی حیران تھے کہ اس مقدمے کا فیصلہ کیسے کریں! اس وقت کے جج صاحب بھی تقویٰ والے لوگ تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو معرفت کے نور سے بھرا ہوا تھا۔انہوں نے ان دونوں سے ان کی زندگی کے حالات پوچھے۔اس طرح ان کو پتہ چل گیا

کہ ان میں سے ایک کے گھر میں بیٹا جوان تھا اور دوسرے کے گھر میں بیٹی جوان تھی۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے ججمنٹ لیتے ہو تو میں یہ ججمنٹ دوں گا کہ بہتر ہے کہ اس بیٹے اور اس بیٹی کا آپس میں نکاح کر دیا جائے اور یہ خزانہ ان دونوں کی جہیز میں دے دیا جائے...... ایک طریقہء زندگی ہمیں خیر خواہی سکھا رہا ہے اور دوسرا طریقہ دوسرے سے اجنبیت سکھا رہا ہے۔ پڑوسی کو پڑوسی کا پتہ نہیں ہوتا کہ کون ہے کون نہیں ہے۔ اب آپ کو بھی اللہ نے علم دیا ہے، آپ میچور لوگ ہیں، سوچیں نا، کہ کونسا طریقہء زندگی اچھا ہے۔ یقیناً دل سے آواز نکلے گی کہ دین اسلام ہی زیادہ بہتر طریقہء زندگی ہے۔

(۸) اخلاص کا تصور

اسلام اخلاص کے ساتھ زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر بندہ جو بھی کرتا ہے اس پر وہ بندوں سے شاباش بھی نہیں چاہتا، وہ فقط اللہ کو راضی کرنا چاہتا ہے۔

دور صحابہ کی مثال:

فتح مدائن میں جب غنیمت کا مال اکٹھا ہونا شروع ہوا، اس وقت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مجاہد آتا ہے، اس کے پھٹے ہوئے کپڑے ہیں، لگتا ہے اس کا زندگی گزارنے کا لیول بہت ہی غربت کا ہے۔ اس نے کپڑے میں کچھ لپیٹا ہوا تھا۔ اس نے آ کر وہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پیش کر دیا اور کہا کہ یہ میدان جنگ سے مجھے ملا تھا، میں یہ آپ کو دینے آیا ہوں۔ جب انہوں نے دیکھا تو پتہ چلا کہ اس کپڑے میں اس اس دشمن بادشاہ کا تاج تھا جو اس جنگ میں قتل ہوا تھا۔ اس تاج کے اندر اتنے قیمتی ہیرے اور موتی جڑے ہوئے تھے کہ ایک ایک ہیرے کی قیمت پوری زندگی کے خرچے کے برابر تھی۔ اسے دیکھ کر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حیران رہ گئے کہ اس کا پتہ بھی کسی کو نہیں تھا، اگر یہ آدمی کسی کو نہ بتاتا اور ایک ایک ہیرا بیچ کر ٹھاٹھ سے زندگی گزارتا تو کسی کو پتہ بھی نہ چلتا۔ چنانچہ سعد بن ابی

وقاص رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر پوچھا: اے نوجوان! تم نے یہ تاج واپس کر دیا، بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟ جب نام پوچھا تو اس نوجوان نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی طرف پشت کر لی اور جانے کے لیے دوسری طرف رخ کر لیا اور کہا:

''اے سعد بن ابی وقاص! جس اللہ کی رضا کے لیے میں نے یہ تاج واپس کیا ہے، وہ میرا نام بھی جانتا ہے اور میرے باپ کا نام بھی جانتا ہے۔''

یہ دین اسلام ہے جو ہمیں اخلاص سے زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ جب ہم صحیح معنوں میں اسلام کے مطابق زندگی گزارتے تھے، اس وقت نوجوان، بوڑھوں اور عورتوں کی سوچ کا معیار ہی کچھ اور تھا، کسی کو دھوکہ دینے کا تصور بھی نہیں ہوتا تھا۔ دیکھیں کہ عورتوں کے معاملات ایک دوسرے کے ساتھ بہت الجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر عورتوں کی بات سناتا ہوں کہ اس دور کی عورتیں ایک دوسرے کے ساتھ کیسی مخلص ہوتی تھیں!

دو سوکنوں کا اخلاص:

ایک تاجر کی بیوی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو نیکی بھی دی تھی اور حسن و جمال بھی دیا تھا۔ وہ زندگی گزارتی رہی۔ اس کا خاوند سفر کے لیے کسی دوسرے شہر جاتا ہے۔ کچھ دنوں کے وقفے سے اسے اس شہر جانا پڑتا ہے، وہاں اسے رہنا پڑ جاتا ہے۔ اب اس کی بیوی نے یہ محسوس کیا کہ اس کے خاوند کا قیام وہاں زیادہ ہونے لگا ہے۔ لہٰذا اسے احساس ہوا کہ کہیں اس نے وہاں دوسرا گھر تو نہیں بنا لیا۔

چنانچہ اس نے اپنی اعتماد والی ایک خادمہ سے کہا کہ تم اس کے پیچھے جاؤ اور دوسرے شہر میں جہاں رہتا ہے وہاں ہمسایوں سے جا کر معلومات حاصل کرو۔ جب اس نے وہاں سے معلومات لیں تو پتہ چلا کہ چونکہ اسے وہاں دس پندرہ دن رہنا ہوتا تھا، اس لیے اس نے وہیں کسی عورت سے نکاح کر لیا تھا اور اسے

ایک گھر بھی لے کر دیا تھا جہاں وہ جا کر رہتا تھا۔ گناہ نہیں تھا البتہ اس نے دوسرا نکاح کر لیا تھا۔
جب اس عورت کو کنفرم ہو گیا تو اس نے سوچا کہ میرے خاوند نے نکاح تو کر لیا ہے اگر جھگڑا کروں گی تو خاوند کو خوامخواہ میرے سامنے شرمندگی ہو گی یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میرا خاوند کھلم کھلا کہہ دے کہ میں ادھر بھی وقت دوں گا اور ادھر بھی دوں گا تو مجھے ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جو محبّت کی مساوات میرے اور میرے خاوند کے درمیان ہے کیوں نہ میں اسی کو برقرار رکھوں۔ یہ سوچ کر اس نے پردہ رکھنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ اسی محبّت کے ساتھ رہتی رہی۔ حالانکہ اسے یقین تھا کہ جب یہ دوسرے شہر میں کاروبار کے لیے جاتا ہے تو وہاں اس کی دوسری بیوی بھی موجود ہے۔ اللہ کی شان کہ کچھ مہینوں کے بعد خاوند کی وفات ہو گئی۔ جب خاوند کی وفات ہوئی تو اس کا جتنا سرمایا تھا وہ سارے کا سارا اسی بیوی کے پاس تھا۔ جب اس کی تدفین کا مرحلہ مکمّل ہوا اور اس کی وراثت کی تقسیم کا وقت آیا تو اس کی بیوی نے اپنا حصہ بھی الگ کیا اور دوسری بیوی کا حصہ بھی الگ کر دیا اور اسی عورت کو جس نے اس کو بتایا تھا کہ اس کا دوسرا نکاح بھی ہے اس کو بڑی رازداری سے کہا کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے اور کوئی میرے خاوند پر بات بھی نہ کرے۔ لیکن اس کی وراثت میں اس بیوی کا شرعی حق ہے مجھے قیامت کے دن اللہ کے ہاں جواب دینا ہے، اس کا حق میں نہیں کھا سکتی۔ لہٰذہ یہ پیسے لے جاؤ اور اس سے کہو کہ تمہارے خاوند کی میراث میں سے یہ تمہارا حصہ ہے، اسے وصول کر لو۔ وہ عورت وہ رقم لے کر خاتون کے پاس گئی۔ وہ کافی ساری رقم تھی۔ اس نے جا کر اس سے بات کی کہ اس کے خاوند کی وفات ہو گئی ہے، اور اس کی بیوی نے اس کی وراثت میں سے تمہارا حصہ نکالا ہے۔ کیونکہ تم بھی آخر اس کی بیوی ہو۔ وہ اگر تمہارا حق کھائے گی تو وہ قیامت کے دن اللہ کو جواب نہیں دے سکے گی۔ لوگوں کو تو پتہ نہیں مگر اللہ کو تو پتہ ہے۔ لہٰذا تم یہ اپنا حصہ وصول کر لو! اس عورت نے وہ رقم پکڑ کر کہا کہ اللہ اس کا بھلا کرے، وہ کتنی نیک عورت ہے، وہ کتنی

اچھی عورت ہے جس نے میرا خیال رکھا! پھر اس نے کہا کہ تم یہ مال میری طرف سے لے جا کر اس عورت کو واپس کردو، اس لیے کہ اس خاوند نے مرنے سے ایک ہفتہ پہلے مجھے طلاق دے دی تھی۔اور اس طلاق کا پتہ یا مجھے ہے یا میرے اللہ کو ہے، لہٰذا اس وراثت میں میرا کوئی حصہ نہیں بنتا۔ یہ اسی کا حصہ ہے، لہٰذا اسے واپس کردو۔

یہ تعلیمات کونسا طریقہء زندگی دے رہا ہے؟ یہ دین اسلام دے رہا ہے۔ دنیا کو تو معلوم نہیں کہ حقیقت کیا ہے لیکن جب دل میں خوفِ خدا ہوتا ہے تو پھر لوگ ایک دوسرے کے حقوق کی اتنی رعایت رکھتے ہیں!

ایک فقیر کا اخلاص:

دہلی کی ایک جامع مسجد میں ایک انگریز نقاشی کا کام دیکھنے کے لیے آیا۔ وہ نقاشی کے فن میں بڑا ماہر تھا۔ جب وہ مسجد کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا تو ایک مسلمان فقیر جو اپاہج تھا، اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: جی مجھے کچھ دو میں غریب ہوں۔ اس نے جیب میں سے اپنا بٹوہ نکالا اور اسے کچھ پیسے دے دیے۔ پھر جب وہ اسے جیب میں ڈالنے لگا تو وہ بٹوہ نیچے گر گیا اسے پتہ ہی نہ چلا۔ یہ اوپر گیا مسجد دیکھی اور اسے کیلی گرافی کا کام بہت اچھا لگا، وہاں سے وہ گھر چلا گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے اپنی بیوی کو بتایا کہ دہلی کی جامع مسجد میں کیلی گرافی کا کام دیکھا ہے وہ بہت ہی شاندار ہے۔

اس کی بیوی بھی اس شعبے سے تعلیم یافتہ تھی لہٰذا اس نے کہا کہ اچھا! اگلے اتوار کو مجھے بھی لے جانا، میں بھی جا کر دیکھوں گی۔ اس نے لے جانے کا وعدہ کرلیا۔ رات کو اسے پتہ چلا کہ بٹوہ گم ہوگیا ہے۔ اسے یاد بھی نہیں آرہا تھا کہ کہاں گرا ہوگا۔ اس میں کئی سو روپے تھے، اس زمانے میں سو روپے کی بڑی ویلیو تھی۔ اسے بڑا افسوس ہوا لیکن پھر اس نے سوچا اب تو ہوگیا جو ہونا تھا۔

اگلے ہفتے جب وہ اپنی بیوی کو لیکر وہ کام دکھانے کیلیے گیا تو سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے وہی اپاہج فقیر

نظر آیا۔ وہ اس کی طرف آرہا تھا۔ مگر اس دفعہ کچھ پیسے مانگنے کی بجائے، اپنا کشکول آگے بڑھانے کی بجائے اس فقیر نے اپنی گدڑی سے وہ بٹوہ نکالا اور کہنے لگا: جی پچھلے ہفتے آپ کا یہ بٹوہ گر گیا تھا اور آپ چلے گئے تھے، یہ لیں اور اسے اپنے پاس محفوظ کر لیں۔

اس نے جب اپنا بٹوہ لیا اور دیکھا تو اس میں کاغذات بھی پورے تھے اور پیسے بھی پورے تھے۔ اسے بڑھی حیرت ہوئی کہ یہ مانگنے والا فقیر جو ایک ایک روپے کو ترستا ہے اور اس میں سینکڑوں روپے تھے۔ اگر یہ چپ کر جاتا تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا کہ پیسے کہاں ہیں۔ اس نے آخر اس کو کیوں نہ رکھا؟ لہٰذا انگریز نے اس سے پوچھا کہ تم نے اسے واپس کیوں کیا؟ اگر تم رکھ بھی لیتے تو مجھے پتہ بھی نہ چلتا کہ کس کے پاس ہے؟ آگے سے فقیر یہ جواب دیتا ہے کہ میرے ذہن میں یہ خیال تو آیا تھا کہ رکھ لوں پھر ایک اور خیال آ گیا جس کی وجہ سے میں نے سوچا کہ میں آپ کو ڈھونڈوں گا اور آپ کو واپس کر دوں گا۔ انگریز نے پوچھا: کیا خیال آیا تھا؟ فقیر آگے سے یہ جواب دیتا ہے:

''مجھے خیال یہ آیا تھا کہ اگر میں نے آپ کا یہ بٹوہ رکھ لیا تو ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن آپ کے نبی حضرت عیسیٰؑ میرے نبی حضرت محمد ﷺ کو گلہ دیں اور یہ نہ کہہ دیں کہ تمہارے امتی نے میرے امتی کے پیسے چرائے تھے۔''

اللہ اکبر!! مانگنے والے فقیروں کی سوچ ایسی تھی۔ یہ تعلیم کس نے دی؟ یہ دینِ اسلام نے دی یہ سوچ تو ایک نوجوان کی تھی۔ دین پر عمل کرنے سے بڑھاپے میں بھی ایسی سوچ رہتی ہے۔

ایک رحم دل حاجی کا اخلاص:

منیٰ کا میدان ہے۔ ایک بڑے میاں اپنا تھیلا لے کر جا رہے ہیں۔ اس میں کچھ پیسے تھے۔ ایک نوجوان ان کے قریب آیا اور تھیلا چھین کر چلا گیا۔ اس بڑے میاں کا سارا زادِ راہ اسی تھیلے میں تھا۔ انہوں نے

صبر کرلیا۔

وہ نوجوان جب کچھ آگے گیا تو اس کا سر چکرایا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا، اس نے رونا شروع کر دیا۔ لوگوں نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟ کہنے لگا: میں نے ایک بوڑھے کا تھیلا چھینا ہے، مجھے لگتا ہے کہ اس نے بددعا دی ہے جس کی وجہ سے میری بینائی چلی گئی ہے۔ مجھے ان کے پاس لے جاؤ تا کہ میں ان سے معافی مانگ لوں۔ لوگ اس کو ان کے پاس لے گئے اور بڑے میاں سے کہا کہ بڑے میاں! آپ اس کو معاف کر دیں، اس سے غلطی ہوگئی ہے، اب یہ رو رہا ہے اور آپ کی بددعا سے تو اس کی بینائی چلی گئی ہے۔ وہ بڑے میاں کہنے لگے کہ جب یہ چھین کر گیا تھا میں نے تو اسے اسی وقت معاف کر دیا تھا۔ لوگ بڑے حیران ہوئے اور کہنے لگے: بڑے میاں! یہ آپ کا تھیلا چھین کر گیا تھا اور آپ کہتے ہیں کہ میں نے اسی وقت معاف کر دیا تھا! تو بڑے میاں آگے سے جواب دیتے ہیں کہ مجھے ایک خیال آ گیا تھا جس کی وجہ سے میں نے اسے اسی وقت معاف کر دیا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ بڑے میاں! کیا خیال آیا تھا؟ بڑے میاں جواب دیتے ہیں:

''میں نے علما سے سنا ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کا حساب کتاب ہوگا، میں وہاں موجود ہوں گا۔ جب تک آخری امتی کا حساب نہیں ہوگا، میں اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا۔ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یہ میرا تھیلا لے کر بھاگا ہے، اگر میں نے معاف نہ کیا تو قیامت کے دن یہ مقدمہ اللہ کی عدالت میں پیش ہوگا، جتنی دیر اس مقدمے کے فیصلے میں لگے گی، میری وجہ سے میرے آقا ﷺ کو جنت میں جانے میں اتنی ہی دیر ہو جائے گی۔ لہٰذا میں نے اسے معاف کر دیا تا کہ نہ ہی مقدمہ پیش ہو اور نہ ہی میری وجہ سے میرے آقا ﷺ کو جنت میں جانے میں تاخیر ہوگی۔'' ایک یہ طریقہ زندگی ہے۔

دل کی آواز:

اب آپ اپنے دلوں میں فیصلہ کر لیجیے کہ ہم جس طریقہء زندگی کو اپنائے ہوئے ہیں وہ سونا ہے، لیکن کفر اپنی طاقت کے ڈنڈے کی وجہ سے اپنے پیتل کو بھی سونا ثابت کرنا چاہتا ہے وہ حیا کو برا بنا رہا ہے اور بے حیائی کو اچھا بنانا چاہتا ہے وہ ایثار کو برا بنا رہا ہے اور خود غرضی کو اچھا بنانا چاہتا ہے اسی طرح جو سات مختلف پوائنٹس میں نے آپ کے سامنے کھولے ہیں ان کو آپس میں Compair (موازنہ) کر کے دیکھیں تو یقیناً دل سے آواز آئے گی کہ دین اسلام ہی صحیح طریقہ زندگی ہے۔

ہم اللہ رب العزت کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں ایسے گھروں میں پیدا کیا جہاں بچپن سے ہم نے کلمہ پڑھا۔ ماں گود میں لے کر ہمیں لوریاں دیتی تھی تو کلمہ پڑھا کرتی تھی۔ جب کچھ بڑے ہوئے تو باپ انگلی سے پکڑ کر مسجد لے جاتا تھا۔ چنانچہ اس نے بھی ہمیں اللہ کے گھر کا راستہ دکھایا۔ الحمد للہ، آج میچورٹی (پختگی) کی اس ایج (عمر) میں پہنچ کر جب ہم خود ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچتے ہیں تو اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے دل سے آواز نکلتی ہے کہ دین اسلام ہی صحیح طریقہ زندگی ہے۔ اللہ! یہ نعمت آپ نے ہمیں عطا فرمائی، ہم اس پر آپ کے شکر گزار ہیں۔ ہمیں اس نعمت کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرما دینا۔ ہم سے خطائیں ہو جاتی ہیں، گناہ ہو جاتے ہیں، وہ ہمارے نفس کی خباثت کی وجہ سے ہیں، لیکن ہم اس بات پر خوش ہیں کہ آپ نے ہمیں دین اسلام دیا۔

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا

اللہ رب العزت ہمیں اس دین کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ